© rasailojaraid.com

برطانیہ میں مقیم پاکستانیوں کا ایک المیہ

مدیر کے قلم سے

۲۰ جولائی ۹۲ء کو برمنگھم سے مانچسٹر جانے کے لیے نیشنل ایکسپریس کے جنرل بس سٹینڈ پر پہنچا تو معلوم کرنا چاہا کہ مانچسٹر کی بس کس سٹینڈ سے اور کتنے بجے روانہ ہوگی برآمدے میں کرسیوں کی قطار پر بیٹھے لوگوں پر نظر ڈالی تو ایک پاکستانی نوجوان پر نگاہ پڑی میرے لیے بیرون ملک انگریزی زبان سے ناواقفیت ہمیشہ مسئلہ بنی رہتی ہے اور ایسے حالات میں کوئی پاکستانی چہرہ نظر آجائے تو غنیمت سمجھتا ہوں ویسے سردار صاحبان بھی ایسے موقع پر کام آجاتے ہیں راہ نمائی بھی ہو جاتی ہے اور ٹھیٹھ پنجابی زبان کے مزے الگ! خیر اس نوجوان سے مانچسٹر کی کوچ کے بارے میں پوچھا تو اس نے کہا کہ میں بھی مانچسٹر جا رہا ہوں اور ابھی بس کے آنے میں نصف گھنٹہ ہے اس کے ساتھ ایک کرسی خالی تھی میں اس پر بیٹھ گیا تھوڑی دیر خاموشی رہی پھر اس نوجوان نے مجھ سے پوچھا کہ آپ کہاں رہتے ہیں؟ میں نے جواب دیا کہ گوجرانوالہ میں رہتا ہوں اور یہاں وزٹ پر آیا ہوا ہوں پھر خاموشی کا تھوڑا سا وقفہ ہوا اب سوال کی باری میری تھی میں نے بھی رسماً" پوچھ لیا کہ آپ کہاں کے رہنے والے ہیں؟ وہ تو ایسے پھٹ پڑا جیسے اس سوال کا اسے مدت سے انتظار تھا مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میں نے ٹیپ ریکارڈر کا بٹن دبا دیا ہے اس نے تھوڑے سے وقت میں اپنی ساری رام کہانی احتجاج اور اضطراب کے مرچ مصالحے کے ساتھ میرے کانوں میں انڈیل دی یہ کہانی اس معاشرہ میں کوئی نئی کہانی نہ تھی اور نہ ہی میں نے پہلی بار سنی تھی اس قسم کی کہانیاں برطانیہ میں رہنے والے پاکستانیوں کے معاشرہ میں معمول کا حصہ بن چکی ہیں اور یہاں کے لوگوں کے لیے اب ان کہانیوں میں کوئی ایسی اجنبیت نہیں رہی کہ وہ انہیں سن کر چونکیں اور پھر ان پر غور و فکر میں اپنا قیمتی وقت حرج کریں لیکن پاکستان میں رہنے والے ان دوستوں کو یہ کہانی ضرور سنانا چاہوں گا جن کے خوابوں میں یورپی معاشرہ ایک جنت کی صورت میں بسا ہوا ہے اور ان کی زندگی کا مقصد وحید یہی ہے کہ وہ کسی نہ کسی طریقہ سے مغرب کے کسی ملک میں پہنچیں اور اس آزاد اور خوشحال معاشرہ کا حصہ بن جائیں۔

یہ نوجوان آزاد کشمیر کے کسی شہر کا رہنے والا ہے اس نوجوان اور اس کے شہر کا نام مصلحتاً" نہیں لکھ رہا وہاں وہ لیکچرار تھا کہ اسے منگیتر کے طور پر لندن بلوا لیا گیا برطانوی، شہریت رکھنے والی کسی لڑکی کی منگنی یا نکاح پاکستان کے کسی نوجوان سے ہو جائے تو اسے اس بنیاد پر ویزا مل جاتا ہے اور بے شمار نوجوان اسی طرح کے ویزے پر برطانیہ میں قیام پذیر ہیں لیکن یہ نوجوان جو حسین خواب تصورات میں سجائے یہاں وارد ہوتے ہیں وہ بہت جلد چکنا چور ہو جاتے ہیں اس کی دو بنیادی وجوہ ہیں ایک یہ کہ لڑکی نے برطانوی ماحول میں پرورش پائی ہے اور یہاں کی معاشرتی اقدار اس کی زندگی کا حصہ بن چکی ہیں جن کے مطابق شادی اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس کے بعد میاں بیوی کے تعلقات میں توازن کے اسلامی تصور کا دور دور تک کوئی نام و نشان نہیں ہے یہاں تو شادی محض ایک "پارٹنر شپ" ہے۔ جس کی بنیاد برابری پر ہے اور کسی ایک کی دوسرے پر بالاتری کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا برابری کے اس شوق نے مغربی معاشرہ میں " خاندانی زندگی " کو بیخ و بن سے اکھاڑ کر پھینک دیا ہے اور جنسی انارکی کو انتہا تک پہنچا دیا ہے حتیٰ کہ یہ بات یہاں کے عام محاورہ میں بولی جاتی ہے کہ برطانیہ میں موسم اور ملازمت کی طرح بیوی کا بھی کوئی اعتبار نہیں کہ کب تک آپ کے ساتھ ہے اور کب کسی بات پر آپ کو چھوڑ کر الگ ہو جائے گی؟ لڑکی اس فضا میں پل کر جوان ہوئی ہے جبکہ اس کا منگیتر پاکستان سے آیا ہے اور " خاوند" کا وہی تصور اس کے ذہن میں ہوتا ہے جو ہمارے ایشیائی اور اسلامی معاشرہ کا حصہ ہے نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ دونوں ایک دوسرے کو اپنے ڈھب پر لانے کی کوشش میں لگے رہتے ہیں اور پھر اکثر اوقات

اس کشمکش میں ٹوٹ گیا رشتہ چاہ کا

کی کیفیت سے دوچار ہو جاتے ہیں دوسری وجہ یہ ہوتی ہے کہ جس نوجوان کو منگیتر یا خاوند کے طور پر وہاں سے بلایا جاتا ہے وہ بہرحال لڑکی اور اس کے خاندان کا ممنون احسان ہوتا ہے کہ ان کی وجہ سے اسے ویزا ملا چنانچہ اس کی حیثیت "گھر داماد " کی سی ہو جاتی ہے اور وہ اپنے تمام تر معاملات میں لڑکی اور اس کے خاندان کے رحم و کرم پر ہوتا ہے نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ معاملہ الٹ ہو جاتا ہے خاوند کی حیثیت بیوی جیسی ہو جاتی ہے اور بیوی " خاوند " کے اختیارات سنبھال لیتی ہے اور خاوند اگر اپنے لیے یہ " ثانوی حیثیت " اختیار نہ کر سکے تو اسے "گھر بدر " ہونا پڑتا ہے اس نوجوان کے ساتھ بھی یہی کچھ ہوا اسے منگیتر کے طور پر یہاں بلایا گیا اس کی شادی ہوئی ایک بچی بھی ہوئی جو اس کے بقول اب اڑھائی سال کی ہے اس نے نئے ماحول میں نباہ کرنے کی کوشش کی مگر جن معاشرتی اقدار و روایات کے سائے میں ایک نوجوان نے پرورش پائی ہے ان سے انحراف اور بغاوت کی بھی ایک حد ہوتی ہے جب بات حد سے بڑھی تو معاملات بگڑنے لگے اور نوبت بایں جا رسید کہ اس نوجوان نے کہا کہ "آج مجھے میری بیوی نے دھکے دے کر گھر سے نکال دیا ہے اور میں اپنا سامان اٹھا کر مانچسٹر میں اپنے بھائی کے پاس جا رہا ہوں" اب اس نوجوان کو وہ بیتے ہوئے دن یاد آرہے تھے جب وہ اپنے شہر میں لیکچرر شپ کرتا تھا اس کا کہنا ہے کہ عزت و وقار بھی تھا اور ضرورت کے مطابق " آمدنی " بھی تھی لیکن میں بھول گیا اور مجھ پر بدقسمتی غالب آگئی نوجوان مجھے نصیحت کر رہا تھا کہ " مولوی صاحب " یہاں کی آب و ہوا کے دھوکے میں نہ آنا اور ان لوگوں کے چہروں سے فریب نہ کھانا ان خوشنما چہروں کے پیچھے " بڑا گند ہے " اب میں اسے کیا بتاتا کہ میرا تو اس "گند " سے صدیوں کا واسطہ ہے اور میں تو اس مشن کا ایک کارکن ہوں جس کا مقصد ہی تہذیب مغرب کے اس متعفن اور مکروہ چہرے پر پڑی ہوئی خوشنما چادر کو نوچ کر اس کے اصلی چہرے سے امت مسلمہ کی نئی پود کو متعارف کرانا ہے اے کاش کہ نئی پود کو تعلیم دینے والے لیکچرار حضرات بھی اس ضرورت کا احساس کریں اور نئی نسل کو اسلامی معاشرت کے سانچے میں ڈھالنے کے لیے اپنا کردار صحیح طور پر ادا کریں۔

© rasailojaraid.com